ڈاکٹر محمد رشید ارشد
مدیر غزالی فورم

اُمت کا موجودہ بحران فکرِ اقبال کی روشنی میں

علامہ اقبال کی فکر دو لحاظ سے ہمیں بہت فائدہ دے سکتی ہے: ایک یہ کہ جس ذہنی پستی میں ہم ہیں، علامہ اقبال ہمیں اُس سے نکال سکتے ہیں۔ علامہ اقبال کی شاعری کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جو فلسفے اور تعقل کی بلندی پر ہے، یعنی بڑے سے بڑا دماغ جو سوالات پیدا کرتا ہے، علامہ اقبال نے اُن کا جواب دیا ہے۔ یہ علامہ اقبال کی ایک مثالیت پسندی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال جس دور میں رہتے تھے، اُس کے ساتھ بھی وہ فکری طور پر اور عملی طور بہت متعلق تھے۔ یعنی علامہ اقبال دورِ استعمار میں پیدا ہوئے اور اسی دور میں دنیا سے چلے گئے، اُنھوں نے سیاسی آزادی کا دور نہیں دیکھا۔ تھرڈ ورلڈ کے مسلمان ممالک، ایشیا اور افریقا اور مڈل ایسٹ کے ممالک، یہ مابعد استعمار کے ممالک ہیں۔ تو ہم اپنے اجتماعی وجود کو نہیں سمجھ سکتے، جب تک کہ ہم استعمار کے بارے میں یا نوآبادیاتی نظام کے بارے میں گہری بصیرت پیدا نہ کریں۔ اس لحاظ سے علامہ اقبال کے ہاں ہمیں بہت قوت سے یہ چیز ملتی ہے۔ جدید سیاسی نظام، جدید تعلیمی نظام اور استعمار کی لوٹ مار پر جو تنقید اور تجزیہ اُنھوں نے کیا غیر معمولی ہے۔ اور پھر عملاً بھی اُنھوں نے بہت سے کام کیے، مسلم لیگ میں کام کیا، جلسوں میں گئے، انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں سے خطاب کیا، فلسطین اور لندن کا سفر کیا۔ مزید اُنھوں نے اپنے مرشد کی تعلیمات میں بھی جدید مسائل کا حل تلاش کیا۔ مولائے روم کے سامنے اپنا مسئلہ رکھا۔ بالِ جبریل میں علامہ کی ایک نظم ہے پیر و مرید، اس میں وہ ایک سوال کرتے ہیں اور پیرِ رومی جواب دیتے ہیں:

ہے زمانے کا تقاضا انجمن
اور بے خلوت نہیں سوزِ سخن!

عجیب المیہ ہے کہ بڑی شاعری وجود میں آتی ہے یا بڑا خیال آتا ہے، وہ خلوت میں آتا ہے، لیکن زمانے کا تقاضا

انجمن ہے۔ میں ایک غلام قوم میں پیدا ہوا ہوں تو مجھے لوگ سیاست میں گھسیٹ لیتے ہیں۔ مولانا روم نے اُس کا جواب دیا کہ خلوت یار سے نہیں اغیار سے ہوتی ہے۔ اور اُنھوں نے کہا کہ پوستین بہار کے لیے نہیں سردی کے لیے ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھلے لوگ، ہم مقصد لوگوں کی صحبت، وہ انسان کے لیے منفی اثر نہیں رکھتی، وہ انسان کی تعمیر و ترقی میں بہت مفید ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم فلسطین کے موضوع پر آتے ہیں۔ مسئلۂ فلسطین کے پس منظر میں ایک اہم واقعہ ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ حیفا کے مقام پر یہودی بستی کا قیام ہے۔ اس سے پہلے ۱۸۹۶ء میں تھیوڈور ہرزل نے صیہونیت کی بنیاد رکھی اور پھر اُس نے سلطان عبدالحمید خان ثانی کو پیشکش کی کہ اگر آپ یہود کو آباد ہونے کی اجازت دے دیں گے تو ہم یہاں ایک بہت جدید طرز کی یونیورسٹی قائم کر دیں گے اور اسی طریقے سے سلطنت کا سارا قرض بھی ادا کروا دیں گے۔ لیکن سلطان نے انکار کیا اور اسے رسوائی کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد سلطان نے خاص طور پر فلسطین میں آنے والے یہودی زائرین کے لیے ایک الگ سرخ رنگ کا پاسپورٹ جاری کیا اور جس کی وجہ سے کوئی بھی یہودی فلسطین میں تین ماہ سے زیادہ قیام نہیں کر سکتا تھا۔

سلطان کی معزولی کے کچھ ہی عرصے بعد جنگِ عظیم اوّل ہوئی، پھر اعلانِ بالفور ہوا اور انگریز نے بندر بانٹ شروع کی جس کے نتیجے میں مختلف عرب مملکتیں قائم ہوئیں، تو وہ ساری کی ساری انگریز کی باج گزار تھیں۔ اور پھر لیگ آف نیشنز قائم کی گئی جہاں اقوام کے معاملات پر غور و فکر کیا جانے لگا، لیکن یہ سب کچھ استعماری طاقتوں کے مفاد میں ہی استعمال ہوتا تھا۔ یہودی آبادکاری کو روکنے کے لیے فلسطین میں ایک قومی تحریک شروع ہو گئی تھی جو ۱۹۱۹ سے ۱۹۲۸ء تک چلی، جس میں عالمی سطح پر کانفرنسیں بھی کرائی گئیں اور کوشش کی گئی کہ یہودی آبادکاری کا معاملہ روکا جائے اور انگریز جس طریقے سے اپنا جال پھیلا رہا ہے، اس کی تدبیر کی جائے۔ اسی دوران سات ستمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور میں انجمنِ حمایتِ اسلام کے ہاں ایک جلسہ ہوا جس میں علامہ اقبال نے ایک تقریر کی۔ اس جلسے میں علامہ اقبال نے فرمایا:

”اے مسلمانانِ لاہور! آپ پر سلامِ رحمت اور برکاتِ الٰہی کا نزول ہو، ہم سب پر فرض ہے کہ ہم بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر بجا لائیں، کیوں؟ اس لیے کہ باوجود اُن اختلافات کے جو وطنی سیاست کے متعلق لاہور کے مسلمانوں

میں ہیں، آج ایک جذبے کے ماتحت ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں اور ہم نے اِن تمام اختلافات کو مٹادیا ہے، ہم نے اِن اختلافات کو ایک مقدس غرض کی خاطر نظر انداز کردیا ہے"۔

یعنی قضیۂ فلسطین علامہ کے نزدیک ایک مقدس غرض ہے۔

"یہ بات غلط ہے کہ مسلمانوں کا ضمیر حبِ وطن کے جذبات سے خالی ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ حبِ وطن کے علاوہ مسلمانوں کے دل میں دینیت و محبتِ اسلام کا جذبہ بھی برابر موجود رہتا ہے۔ اور یہ وہی جذبہ ہے جو ملت کے پریشان اور منتشر افراد کو اکٹھا کردیتا ہے اور کرکے چھوڑے گا اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔ فلسطین میں مسلمان اور اُن کے بیوی بچے شہید کیے جا رہے ہیں، اس ہولناک سفاکی کا مرکز یروشلم ہے جہاں مسجدِ اقصیٰ واقع ہے"۔

اب فرق یہ ہے کہ غزہ میں یہ سب ہو رہا ہے۔

"اس مسجد کا تعلق حضرت خواجۂ دوجہاں ﷺ کے معراجِ مبارک سے ہے اور معراج ایک دینی حقیقت ہے جس کا تعلق مسلمانوں کے گہرے جذبات کے ساتھ ہے"۔

ان دنوں میں جیسے آپ کو معلوم ہے کہ سوشل میڈیا کا دور ہے اور ہر آدمی کچھ نہ کچھ کہہ رہا ہوتا ہے، تو بہت سے لوگوں نے اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ آپ اس مسئلے کو کوئی دینی مسئلہ نہ بنائیں، اس کو دین ایمان کا، حق و باطل کی لڑائی نہ بنائیں، اس کو ایک سیاسی مسئلے کے طور پر پیش کریں۔ یا کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ اس کو ظالم اور مظلوم کی جنگ قرار دیں۔ اگر آپ اس کو حق و باطل اور کفر و اسلام کی لڑائی بنائیں گے تو آپ اس قضیے کو نقصان پہنچائیں گے۔ اب دیکھیے علامہ اقبال اس کو ایک دینی رنگ میں ہی بیان کر رہے ہیں۔ یہ مسجدِ اقصیٰ، بیت المقدس، فلسطین کا معاملہ مسلمانوں کے لیے کبھی بھی محض سیاسی نہیں ہوسکتا، یعنی اُس کے ساتھ مسلمانوں کے مذہبی جذبات وابستہ ہیں۔

"صدیاں گزر گئیں کہ ایک معبد تعمیر ہوا تھا جسے ہیکلِ سلیمانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ معبد مسلمانوں کے یروشلم فتح کرنے سے بہت پہلے برباد ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ نے معراج کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو انھیں ہیکل یا مسجدِ اقصیٰ کے صحیح موقع و محل سے بھی مطلع کردیا۔ فتح یروشلم کے بعد حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس یروشلم تشریف لے گئے، اُنھوں نے مِسمار شدہ ہیکلِ سلیمانی کا محلِ وقوع دریافت فرمایا اور وہ جگہ ڈھونڈ لی، اُس

وقت اس جگہ گھوڑوں کی لید جمع تھی، جسے اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا، مسلمانوں نے جب اپنے خلیفہ کو ایسا کرتے دیکھا تو اُنھوں نے بھی جگہ صاف کرنی شروع کر دی اور یہ میدان پاک ہو گیا، عین اُسی جگہ مسلمانوں نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجدِ اقصیٰ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ میں تو یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ موجودہ مسجدِ اقصیٰ اُسی جگہ پر واقع ہے جہاں ہیکلِ سلیمانی واقع تھا، اس تشخیص کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اس کی زیارت کے لیے اُس وقت آنا شروع کیا جبکہ یہ مشخص ہو چکی تھی"۔

برطانیہ اس سارے معاملے میں ملوث تھا اس لیے آگے جا کر علامہ نے برطانیہ کے کردار پر گفتگو فرمائی۔

"مگر چونکہ برطانوی مدبروں کا اصل مقصد کچھ اور تھا، اس لیے انھوں نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے یہود کو آلۂ کار بنایا، صیہونی تحریک کو فروغ دیا اور اپنی غرض کی تکمیل کے لیے جو ذرائع استعمال کیے گئے، ان میں سے ایک کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ یہودی گریہ و بُکا کے بجائے مسجدِ اقصیٰ کے ایک حصے کے مالکانہ تصرف کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے آتشِ فساد مشتعل کر رکھی ہے، مسلمان، اُن کی عورتیں اور بچے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہیں۔ فلسطین کے عربوں کی مجلسِ اعلیٰ نے اعلان کیا ہے کہ حکومت نے یہودیوں کو مسلح کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اِس قدر خون ریزی ہو رہی ہے۔ صیہونی تحریک مسلمانوں کے لیے کوئی خوش گوار نتائج پیدا نہیں کرے گی، بلکہ اس سے غیر معمولی فتنوں کے ظہور پذیر ہونے کا خطرہ ہے۔ اب حکومتِ برطانیہ نے فلسطین میں تحقیقاتِ حالات کے لیے ایک کمیشن بھیجنا منظور کیا ہے، مگر میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتماد نہیں"۔

برطانیہ جو کام اُس وقت کر رہا تھا، آج بھی وہی کر رہا ہے۔ گزشتہ دنوں ایک وڈیو بہت نشر ہوئی جس میں دکھایا گیا کہ ایک برطانوی فوجی جہاز اسلحے اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ اسرائیل پہنچا ہے اور اسلحے سے لیس اس مال بردار برطانوی جہاز کی دم سے برطانوی وزیرِ اعظم رشی سوناک نکل کر آ رہا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اُن میں کتنی ہمت اور غیرت ہے۔ اس واقعے سے کچھ غیرت مسلمان حکمرانوں کو محسوس کرنی چاہیے کہ وہ انگلستان جس نے ایک صدی پہلے یہ ڈول ڈالا تھا، اعلانِ بال فور کے بعد سے آج تک اُس پورے مقصد کے ساتھ وہ وابستہ ہے۔ اور پھر عرب حکمرانوں نے جو رویہ اختیار کیا، علامہ اقبال نے اُس کا کئی جگہ ذکر کیا کہ:

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دَلقِ اویس و چادرِ زہرا

یعنی کس طریقے سے انگریزوں نے شریفِ مکہ کو ابھارا کہ تم عرب ہو اور ترک تم پر غالب ہیں۔ اس طریقے سے عربوں کے اندر ترکوں کے خلاف نفرت پیدا کی اور امت کو پارہ پارہ کیا۔ ہمارے ہاں جب بھی کوئی معاملہ ہوتا ہے یو این او اس میں آکر قراردادیں پیش کرتی ہے۔ لیگ آف نیشنز کے بارے میں علامہ اقبال نے جو گفتگو کی ہے، اُس کے بھی چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم!

جنیوا مرکز رہا تھا لیگ آف نیشنز کا، بعد میں یو این او کو یہ مرتبہ ملا:

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

یہ ایک الگ بات ہے کہ طہران جنیوا ہو جاتا تو کیا ہوتا، یہ ایک دردناک قصہ ہے کہ ان حضرات کا کیا کردار رہا ہے اور اس امت پر جب بھی اغیار نے حملہ کیا ہے تو اُس کی پیٹھ پر خنجر کس نے گھونپا ہے؟ تو علامہ اقبال کو چونکہ طہران سے ایک زمانے میں توقعات تھیں۔ جیسے مصطفی کمال پاشا سے اُن کو توقعات تھیں ویسے ہی اُنھیں رضا شاہ پہلوی سے بھی توقعات تھیں۔ اور پھر دونوں ہی نے علامہ کو مایوس کیا اور اُنھوں نے وہ شعر کہا کہ:

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

اور پھر فلسطینی عرب سے ایک جگہ اُنھوں نے خطاب کیا:

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے، غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

تو اصل چیز خودی کی پرورش ہے یعنی اپنے اندر غیرت پیدا کرنا۔ آج کل یہ گفتگو بہت سننے کو ملتی ہے کہ ہم مسلمانوں نے ٹیکنالوجی میں ترقی نہیں کی اور ہم سائنس میں بہت بہت پیچھے رہ گئے۔ اسی لیے ہم مار کھا رہے ہیں، اتنا ظلم ہو رہا ہے وغیرہ۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ بات کوئی کیسے کہہ سکتا ہے؟ اس وقت کتنے اسلامی ممالک ہیں، سب کے پاس مسلح تربیت یافتہ افواج ہیں، پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے اور سعودی عرب نے تنتیس ملکوں کی فوج تیار کی، یہ کس کے لیے تیار کی اور کیا طاقت کم ہے؟ جبکہ افغانستان میں مجاہدین کے پاس کون سی ٹیکنالوجی تھی، کیا وسائل تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کی کیسی کیسی نشانیاں دکھا دیں۔ اس کے بعد بھی کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ ہمارا مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے ہونا ہے، یہ محض بے کار بات ہے، بلکہ ہمارا اصل مسئلہ بے غیرتی، بے حمیتی اور بے ایمانی ہے:

سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

پھر علامہ نے ایک اور جگہ لیگ آف نیشنز کے بارے میں بہت سخت الفاظ کہے کہ:

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منھ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے و لیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے

ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرکِ افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

لیگ آف نیشنز کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ یہ افرنگی بڈھے کی داشتہ ہے اور ایک اور جگہ اُنھوں نے کہا کہ:

برفتد تا روشِ رزمِ دریں بزمِ کہن
درد مندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دُزدے چند
بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

اس پرانی دنیا میں جنگ ختم ہو جائے اس کے لیے جہان کے کچھ درد مندوں نے ایک نئی طرح ڈالی ہے، ایک نئی انجمن کی بنیاد ڈالی ہے، اس کے متعلق میں تو بس اتنی بات جانتا ہوں کہ چند کفن فروشوں نے قبروں کی تقسیم کے لیے ایک انجمن بنائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ یہ حرم کے درد کا درماں کریں گے، حالانکہ یہ کفن چور ہیں اور قبروں کی تقسیم کرنے والے ہیں، چاہے وہ یو این او ہو، او آئی سی ہو، عرب لیگ ہو، چاہے وہ کچھ بھی ہو۔ اقبال کی ایک اور نظم شام و فلسطین ہے، اس میں وہ کہتے ہیں:

رندانِ فرانسیس کا مے خانہ سلامت
پُر ہے مئے گل رنگ سے ہر شیشہ حلَب کا
ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

یعنی اگر یہود کو فلسطین پر دعویٰ ہے تو پھر اسپین پر اہلِ عرب کیوں نہیں دعویٰ کر دیتے کہ وہاں اُن کی حکومت رہی ہے۔ ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ انگریزی استعمار کا مقصد کچھ اور ہے، یعنی مقصد کالونائزیشن ہے:

مقصد ہے ملوکیتِ اِنگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رُطب کا

اور اُنھوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا، جس میں اُنھوں نے کہا: ''فلسطین کا مسئلہ مسلمانوں کے ذہنوں کو بہت پریشان کر رہا ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ (مسلم) لیگ اس مسئلے پر ایک ٹھوس قرارداد منظور کرے گی اور قائدین کی ایک نجی کانفرنس کا انعقاد کر کے کسی ایسے مثبت قدم کا فیصلہ کرے گی جس میں عوام بڑی تعداد میں شریک ہو سکیں گے۔ ذاتی طور پر مجھے کسی ایسے معاملے پر جیل جانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا جس سے اسلام اور ہندوستان دونوں متاثر ہوں''۔

بہرحال علامہ مرحوم کی نظر میں فلسطین کا مسئلہ محض سیاسی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ دینی حمیت و غیرت کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح مسئلۂ فلسطین ہو یا امت کے دیگر مسائل، ان کا حل تہذیبِ نو سے نجات اور اپنی تہذیب سے مضبوط وابستگی میں ہے۔

*****